Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:4، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

رشید امجد کے افسانوی کرداروں میں وجودی رجحانات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Existential Tendencies in the Fictional Characters of Rasheed Amjad: A Research and Critical Study

Rizwan Irtaza
PhD Urdu Scholar Qurtaba University, Dera Ismaeel Khan
Dr.Iftkhar Baig
Associate Professor Department of Urdu Qurtaba University,Dera Ismaeel Khan

رضوان ارتضیٰ
پی ایچ۔ڈی اردو اسکالر قرطبہ یونی ورسٹی،ڈیرہ اسماعیل خان
ڈاکٹر افتخار بیگ
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو قرطبہ یونی ورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

Abstract

This paper presents a research-based and critical analysis of existential tendencies in the fictional characters of Rashid Amjad. Dr. Rashid Amjad was a prominent Urdu short story writer, researcher, and critic, whose primary recognition rests on his contribution to short fiction. The characters portrayed in his short stories reflect strong existential elements, which he employed extensively and consciously in his creative work. Within Rashid Amjad's existential philosophical framework, particular emphasis is placed on themes such as fear, determinism, death, darkness, loneliness, desolation, alienation, and anxiety. Through a close reading and analytical examination of his short stories, this study identifies and interprets these existential elements as they manifest in his fictional characters. Considering Dr. Rashid Amjad's overall literary contributions and intellectual endeavors, it may be concluded that he was a seminal and era-defining figure in Urdu language and literature.

Keywords: *Dr. Rasheed Amjad, Urdu Short Story, Existential Elements, Philosophical, Analysis, Research, Elements, Determinism*

کلیدی الفاظ: ڈاکٹر رشید امجد، اردو افسانہ نگاری، وجودی عناصر، فلسفیاتی تجزیہ، تحقیقی عناصر، تجزیہ، تحقیق، عناصر، جبریت

اردو کے معروف افسانہ نگار، محقق اور نقاد ڈاکٹر رشید امجد ۵ مارچ ۱۹۴۰ کو سری نگر (مقبوضہ کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ والد کی طرف سے ان کا نام اختر رشید رکھا گیا لیکن بعد میں قلمی نام رشید امجد طے پایا۔ رشید امجد کے والد غلام محی الدین ایک صوفی منش انسان تھے جنھیں تصوف سے گہری دلچسپی تھی رشید امجد نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز ساٹھ کی دہائی میں کیا۔ اگرچہ انھوں نے ادب کی بہت سی اصناف میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی شہرت کا بنیادی حوالہ ان کی افسانہ نگاری ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے نہ صرف ایک نئے رجحان کی بنیاد رکھی بلکہ اسے بھرپور تسلسل اور توانائی کے ساتھ دوسروں کے لیے باعث تقلید اور قابل رشک بنایا۔ جدید اردو افسانے کی تعمیر و تشکیل اور اسے ایک مکمل و معیاری صورت عطا کرنے میں رشید امجد کا حصہ بہت قابل قدر ہے۔ اردو افسانے کی تاریخ میں ساٹھ کی دہائی و مابعد کا زمانہ موضوعات اور تکنیک ہر دو حوالوں سے روایت شکن واقع ہوا۔ اس عہد میں اردو افسانے میں موضوعات اور تکنیک کے حوالے سے تیزی سے تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اسی بنیاد پر اس عہد کو جدید یا نئے افسانے کا نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے۔ اس سے قبل افسانہ روایتی انداز میں لکھا جا رہا تھا۔ پریم چند کی روایت میں لکھے گئے افسانوں میں زندگی کے حقائق کی عکاسی کے موضوعات نمایاں تھے مگر اب حقائق کو علامت و استعارے میں بیان کیا جانے لگا۔ طویل عرصے سے کلاسیکی افسانے میں

OPEN ACCESS HEC DRJI ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE اشاریہ اردو جرائد EuroPub

پانچ بنیادی عناصر یعنی ماجرا نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، مرکزی خیال اور زندگی کے بارے میں مصنف کا نقطہ نظر، تسلیم کیے جاتے تھے مگر جدید افسانہ نگاروں نے اس تصور میں تبدیلی پیدا کر دی۔ جدید افسانہ نگاروں نے ماجرا کو غیر ضروری قرار دیا اور اس کی جگہ تصور اور خیال نے لے لی۔ یہ ایک بڑی فنی تبدیلی تھی جو جدید افسانے میں رونما ہوئی۔ اسی طرح کی بڑی تبدیلی موضوع کی سطح پر بھی عمل میں آئی۔ کہانی کی جگہ تصور یا خیال نے لے لی۔ لہٰذا کردار بے نشان ہو گئے۔ موضوعات کی اس تبدیلی میں دنیا کے سیاسی اور سماجی نظام میں ہونے والی تبدیلیوں اور علم نفسیات کی روزافزوں ترقی نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ سائنسی اور صنعتی ترقی کے سبب نفسا نفسی اور افراتفری کے ساتھ شناخت کے مسئلے نے جنم لیا۔ عالمی ادب پر وجودرجحان نمایاں تھا۔ اس وجودی رجحان نے تنہائی، کرب اور اجنبیت کو مزید ابھارا۔ موضوعات کی اس تبدیلی میں پاکستان کے سیاسی، معاشی اور سماجی حالات نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ رشید امجد نے اردو افسانے کے اسی بدلتے ہوئے رجحان کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "بیزار آدم کے بیٹے" ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد "ریت پر گرفت" ۱۹۷۸ء، "سہ پہر کی خزاں" ۱۹۸۰ء، "پت جھڑ میں خود کلامی" ۱۹۸۴ء، "بھاگے ہے بیاباں مجھ سے" ۱۹۸۸ء، "دشت نظر سے آگے (کلیات)"، ۱۹۹۱ء، "کاغذ کی فصیل" ۱۹۹۳ء، "عکس بے خیال" ۱۹۹۳ء، "دشت خواب" 1993ء، "گم شدہ آواز کی دستک" ۱۹۹۶ء، "ست رنگے پرندے کے تعاقب میں" ۲۰۰۲ء اور "ایک عام آدمی کا خواب" ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئے۔ بعد ازاں ان کے دیگر مجموعے بھی شائع ہوئے جن کا ذکر پہلے باب میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔ ان کا آخری افسانوی مجموعہ "دکھ ایک چڑیا ہے" کے عنوان سے ۲۰۱۶ء میں شائع ہوا۔ اس لحاظ سے رشید امجد کا تخلیقی سفر تقریباً چھ دہائیوں پر محیط ہے۔ اس طویل سفر میں رشید امجد کا فن ارتقا کے مختلف مراحل سے گزرا۔ اگرچہ انھوں نے افسانہ نگاری کی ابتداء روایت کے زیر اثر کی مگر اپنے میلان طبع کی بدولت جلد ہی جدیدیت سے وابستہ ہو گئے۔ جدید افسانہ نگاروں کی فہرست میں رشید امجد ایک نمایاں مقام کے حامل ہیں اور آج اردو افسانے پر کوئی بھی تنقیدی کام رشید امجد کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔

وجودیت کیا ہے؟

"وجودیت" عربی زبان کے لفظ "وجود" سے مشتق ہے۔ انگریزی لفظ Existence، لاطینی Existentia اور فارسی لفظ "ہست" وجود کے مترادفات ہیں اور قریب قریب یکساں مفہوم رکھتے ہیں۔ "وجود" کا لفظ اردو زبان میں بھی اسی مفہوم میں رائج ہے۔ وجود کے لغوی معنی بدن، جسم، ذات، زندگی، پیدائش، ظہور اور نمائش وغیرہ کے ملتے ہیں۔ اسی لفظ وجود کی نسبت سے اردو میں وجودیت کی اصطلاح رائج ہے۔ اردو میں وجودیت کی اصطلاح (Existentialism) کے مترادف سمجھی جاتی ہے جب کہ علی عباس جلال پوری کے مطابق اس کا موزوں ترجمہ موجودیت ہے۔(۳۹)۔ مسئلہ دراصل یہ ہے کہ جب بھی کوئی نیا انداز نظر یا تصور جنم لیتا ہے تو زبان اور لفظ کے روایتی تراجم اور مفاہیم ادھورے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ مسئلہ صرف اردو کے ساتھ نہیں بلکہ دنیا کی دیگر بہت سی زبانیں بھی اصطلاحات کے معاملے میں انھی مسائل سے دو چار ہیں۔ بہر حال اردو زبان میں وجودیت کی اصطلاح اس فکری تحریک سے منسلک ہے جس نے بیسویں صدی میں یورپ میں جنم لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے بہت سے ممالک میں پھیل گئی۔ اس فلسفیانہ تحریک اور انداز نظر کے اثرات دنیا کی دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی محسوس کیے گئے۔ وجودیت نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا علم و حکمت ہو یا ادب و فن، الٰہیات ہو یا نفسیات، عمرانیات ہو یا اخلاقیات، وجودیت نے ان سب پر انمٹ نقوش مرتب کیے۔ اردو ادب بالخصوص اردو شاعری پر اس فلسفیانہ فکری تحریک کے گہرے اثرات ہیں۔

وجودیت کے حوالے سے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ "وجودیت" کوئی متعینہ فکری نظام نہیں ہے۔ اس فلسفے سے متعلق اتنے متخالف تصورات ہیں کہ انھیں ایک لڑی میں پرونا مشکل ہے۔ وجودیت کی تعریف کرنا نہ صرف مشکل بلکہ خود وجودی نقطہ نظر ہی کے خلاف ہے کیوں

کہ تعریف کا مطلب جوہر کا بیان ہے اور وجودیت انسان کے کسی جوہر کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ تاہم جن عناصر پر وجودی مفکرین اتفاق کرتے ہیں ان میں To Exist کا پہلو بہر حال نکلتا ہے۔ مختلف فلاسفہ کی طرف سے کی گئی وجودیت کی تعریفوں میں بھی اسی پہلو پر زور ملتا ہے۔ مثلاً وجودیت کی چند تعریفیں کچھ یوں کی گئی ہیں:

> "Existentialism is the type of philosophy emphasising the present reality of the individual and treats existentialist frame of reference as the individual's own frame of references in meeting reality, his own fears and hopes and hopes and encounters and crisis." (1)

ایک اور جگہ وجودیت کی وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے:

> "The term of "existentialism" means, "pertaining to existence or in logic predicating existence" philosophically, it now applies to a vision of the condition and existence of man, his place and function in the world, and his relationship or lack of one with God." (2)

وجودیت کی درج بالا تعریفوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فلسفہ وجودیت انفرادی زندگی سے متعلق ہے۔ وہ انفرادی زندگی جو ایک فرد اپنے تمام تر شعور، فہم، ذاتی پسند و ناپسند اور ذاتی جذبات و احساسات کے ساتھ بسر کرتا ہے وجودیت فرد کی بے مثل انفرادیت پر اصرار کرتے ہوئے فطرت اور طبعی دنیا کی عمومی خصوصیات کے مقابلے میں انسانی وجود کو بنیادی حیثیت دیتی ہے۔ وجودیت نہ تو صرف فلسفہ ہے نہ فلسفیانہ رد عمل، بلکہ یہ اس کائنات میں انسانی موجودگی کا ایک اعلان ہے۔ وجودیت کی تحریک دو عظیم جنگوں کے بعد مغربی معاشرے میں پیدا ہونے والے سیاسی اور سماجی خلفشار کے رد عمل میں پیدا ہوئی۔ مغربی معاشرہ ناامیدی، بے اطمینانی اور غیر یقینی مستقبل کے اذیت ناک عمل سے گزر رہا تھا۔ جنگوں کی تباہ کاریاں اتنی شدید تھیں کہ سیاسی اور سماجی نظام تباہ ہو کر رہ گیا۔ جنگ کے بعد لوگوں کو جنگ کے بارے میں سوچنے کے علاوہ اور کوئی موضوع نہ رہا۔ سنسان پڑی ہوئی دکانیں، ویران گلیاں اور محلے، جنگ سے پیدا شدہ خوف و دہشت، ڈرے اور سہمے ہوئے لوگ، غرض کہ ایک قیامت کا منظر تھا۔ فوجیں انسانوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل رہی تھیں۔ انسان ہی دوسرے انسانوں کو مار رہے تھے۔ جنگ اول اور دوم نے انسان کی حیوانیت، وحشی پن، درندگی، بہیمت اور خود غرضی کا ایسا پردہ فاش کیا کہ انسانیت پر سے لوگوں کا اعتماد ہی اٹھ گیا۔ انسانی خون کی ارزانی اور موت کے جس المناک پہلو کا مشاہدہ لوگوں نے جنگ عظیم دوم کے دوران کیا اس نے ایک رد عمل کی شکل اختیار کر لی اور زندگی کا ایک نیا لائحہ عمل ناگزیر ہو گیا۔ اس صورت حال نے ایک نئے انسان اور سماج کو جنم دیا۔ اس عہد کی مخصوص بے چینی، کشیدگی، تشویش اور کھچاؤ، ہولناک جنگوں، تباہ کن ہتھیاروں، فرد دشمن عقائد و نظریات اور روحانیت کے زوال کا اظہار وجودیت کی شکل میں ہوا۔

رشید امجد کے افسانوں کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے افسانوں کی ایک اہم جہت فلسفۂ وجودیت ہے۔ اگرچہ ان کے افسانوں میں بہت سے موضوعات بیان ہوئے ہیں لیکن ان میں وجودیت ایک شعوری فلسفے کے طور پر موجود ہے۔ ان کے بہت سے کردار وجودی کیفیات کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں خوف، اندھیرا، تنہائی، اجنبیت، ویرانی، جبر اور ہونے نہ ہونے کا کرب، سب وجودی عناصر ہیں لیکن اس حوالے سے رشید امجد کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کے ہاں یہ عناصر درآمد شدہ اور محض تھیوری کے طور پر نہیں بلکہ یہ

ان کی ذات کی بھٹی کے انگارے ہیں۔ اپنے خارج اور باطن سے سمیٹی گئی یہ آگ ان کی اپنی ہے۔ انھوں نے ان کیفیات کا پہلے بذات خود مشاہدہ کیا ہے اور پھر انھیں اپنی کہانیوں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں انسان کے باطن کو کریدنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس حوالے سے منشا یاد لکھتے ہیں:

"ان کے افسانوں میں اپنے عہد کا دل دھڑکتا ہے۔ انھوں نے اپنے عصر کے سیاسی، سماجی اور خارجی معاملات و مسائل کے ساتھ ساتھ انسان کی باطنی دنیا میں ہونے والی توڑ پھوڑ اور آشوب کو بھی اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے۔"(3)

رشید امجد جدید اردو افسانے کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ اگرچہ انھوں نے افسانہ نگاری کا آغاز روایت کے زیر اثر کیا مگر بعد ازاں افسانے کا مروجہ تکنیکی اور موضوعاتی ڈھانچہ توڑ کر ایک نئے مگر مشکل نظام کی بنیاد رکھی اور پھر اسے تسلسل کے ساتھ جاری رکھا۔ اگرچہ رشید امجد کے ہاں موضوعات کی رنگارنگی دکھائی دیتی ہے مگر ان کی افسانہ نگاری کی ایک اہم جہت فلسفہ وجودیت ہے۔ ان کے ہاں بہت سے کرداروں میں اس فلسفے کے رجحانات دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں تنہائی، بے گانگی، خوف، بے چینی، موت اور قبر جیسے موضوعات دکھائی دیتے ہیں تو کہیں انفرادی اور ذاتی کیفیات کا منفرد انداز ملتا ہے۔ جمیل ملک نے رشید امجد کے پہلے افسانوی مجموعے "بے زار آدم کے بیٹے" پر تبصرہ کرتے ہوئے رشید امجد کے افسانوں کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے دور میں رشید امجد نے سماجی حالات کی جو عکاسی کی ہے وہاں فرد اپنی شناخت کھو کر بے چہرہ ہو گیا ہے۔ دوسرے دور میں یہ بے چہرہ آدمی بونے آدمی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ تیسرے دور میں رشید امجد ایک قدم آگے بڑھا کر موت وحیات کی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ بے معنویت میں معنویت تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ افسانہ نگاری میں رشید امجد کی خصوصیت موضوعات کے ساتھ ساتھ ان کا منفرد اسلوب بھی ہے۔ رشید امجد کا اسلوب صرف انھی کی ذات سے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر بشیر سیفی لکھتے ہیں:

"اپنے مخصوص اسلوب کے حوالے سے وہ ایک ایسا صاحب اسلوب افسانہ نگار بھی قرار پاتا ہے جس نے ایک پورے دور کو متاثر کیا اور یہ اس کا ایسا اعزاز ہے جس پر فخر کرنے میں وہ حق بجانب ہے۔"(4)

رشید امجد کے وجودی فلفسہ کے نظام فکر میں موت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ موت اور اس کے متعلقات کا ذکر ہمیں بہت سے وجودی مفکروں کے ہاں دکھائی دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا مشترک تصور ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ رشید امجد کے نظام فکر میں بھی موت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے بہت سے افسانوں میں موت قبر اور جنازے کے موضوعات دکھائی دیتے ہیں۔ جس کثرت کے ساتھ رشید امجد کے ہاں موت کا موضوع بیان ہوا ہے اس لحاظ سے موت کو رشید امجد کا رومانس کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ لیکن رشید امجد کے ہاں موت کی کوئی ڈراؤنی شکل نہیں ملتی بلکہ ان کے ہاں یہ ایک قابل قبول صورت حال میں دکھائی دیتی ہے۔ رشید امجد موت کو ایک پناہ گاہ یا ذریعہ نجات قرار دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو ایک فرد کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ اس ضمن میں رشید امجد لکھتے ہیں:

"قبر، موت اور جنازہ مختلف ادوار میں مختلف معنویت کی علامت ہے۔۔۔ یہاں آکر سکون ملتا ہے۔ کچھ دیر کے لیے دشمن فضا سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ یہ قرار انفرادی نوعیت کا ہے اور حقیقت سے آنکھ چرانے کے رویے سے عبارت ہے۔"(5)

رشید امجد کے فکر و فن کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی فکر وقت کے ساتھ ساتھ ارتقائی منازل طے کرتی رہی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے موضوعات اپنے فکری زاویے تبدیل کرتے رہے۔۔ رشید امجد کے فکر و فن کے حوالے سے ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں:

"رشید امجد نے جدید عہد میں انسان کے فکری اور نفسیاتی مسائل کی تصویر سازی پر بھی توجہ دی ہے۔ تنہائی، انفرادیت، جلاوطنی، انتقاد، بوریت، لغویت، بے سروسامانی، ادبی خواہشات، خود غرضی، خوف، نفرت، اذیت، گمشدگی، Oppression، ظلم، بے شناختی، بے معنی جدوجہد، صنعتی اوراساطیری ماحول کا تقابل، کھوکھلا پن، منافقت، آدمیت کا زوال، فیشن زدگی، قومی ابتری وغیرہ کے موضوعات پر رشید امجد کی خصوصی توجہ ہے۔"(6)

رشید امجد کے ہاں وجودیت کے حوالے سے قبر کا تصور بھی ایک خاص مفہوم کا حامل ہے۔ موت اور قبر کے تصورات ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور یہ تصورات رشید امجد کے بہت سے افسانوں میں بیان ہوئے ہیں لیکن ایک منفرد انداز میں رشید امجد نے قبر کو خوف، دہشت اور فنا کی علامت کے بجائے ایک منفرد استعاراتی ترکیب سے نوازا۔ اس حوالے سے ان کے ایک کردار کی ذہنی کیفیت ملاحظہ کیجیے:

"ویسے بھی قبر کے بارے میں اس کا اپنا ایک تصور تھا۔ لوگ مکان کا ڈیزائن بڑی محبت اور پیسے خرچ کر کے بنواتے ہیں لیکن قبر کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔"(7)

رشید امجد کے ہاں موت اور اس کے متعلقات قبر، جنازہ، قبرستان وغیرہ کو بیان کرنے کا ایک مخصوص انداز دکھائی دیتا ہے۔ وہ موت کو زندگی سے الگ کوئی چیز نہیں سمجھتے بلکہ اسے زندگی کا ہی ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا نقطہ نظر ہے کہ زندگی اور موت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے متصل اور مربوط ہیں۔ وجودی فلاسفہ کے افکار و نظریات اور رشید امجد کے افسانوں کا ایک ساتھ مطالعہ کرنے سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے بہت سے کردار وجودی خصوصیات سے مملو ہیں۔ وجودیت کی خصوصیات میں موضوعیت پسندی، کرب، تنہائی، بیگانگی، آزادی اور ذمہ داری، اکتاہٹ، مایوسی، امتلا اور خشونت جیسے رویے اور احساسات دکھائی دیتے ہیں۔ جب کہ یہی خصوصیات رشید امجد کے بہت سے کرداروں میں بھی ہیں البتہ انھیں وجودی نظام فکر کا مشرقی نمونہ قرار دیا جائے گا کیونکہ عالمی وجودی مفکروں کے ہاں عمومی طور پر مذہب سے بیزاری کا رویہ دکھائی دیتا ہے جب کہ رشید امجد کے ہاں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ بعض جگہ ان کے افسانوں میں وجودی خصوصیات تصوف سے بھی ہم آہنگ دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی ابتدائی زندگی روایتی مذہبی ماحول میں بسر ہوئی۔ ان کے والد اور والدہ دونوں مذہبی رسومات کا باقاعدگی سے اہتمام کرتے ہیں اور یہی رویہ ہمیں نظریاتی سطح پر رشید امجد کے ہاں بھی دکھائی دیتا ہے۔ ان کے ہاں مرشد کا کردار کسی نہ کسی سطح پر مذہبی روایات سے تعلق رکھتا ہے۔

رشید امجد کے بہت سے افسانوں میں وجودیت کے عناصر کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں لیکن ان کے بعض افسانے ایسے ہیں جن میں وجودیت کے فلسفے کو مرکزی خیال کی حیثیت حاصل ہے۔ "لا" بھی ایسا ہی ایک افسانہ ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار فلسفہ وجودیت کی عملی تعبیر ہے۔ وہ حالات کے جبر کا شکار ہے اور منافقت کی آلودگی سے پُر، گھٹن زدہ ماحول اور معاشرے میں زندہ رہنے پر مجبور ہے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کی جبلت میں آزادی شامل ہے۔ انسان فطری طور پر آزاد پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی اصل پر قائم رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن حالات اور معاشرے کا جبر اس کے وجود کو ایک ایسے نظام کا پابند بننے پر مجبور کرتا ہے جسے وہ قبول نہیں کرنا چاہتا۔ اس افسانے کا مرکزی کردار بھی انھی دو متضاد صورتوں کے درمیان پھنسا ہوا ایک بے بس انسان ہے۔ ایک طرف اس کی جبلت ہے اور دوسری طرف معاشرے کی اقدار ہیں۔ ان دونوں کے درمیان فرق اس کے اندر ایک عجیب سی بے اطمینانی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو رفتہ رفتہ ایک مستقل کرب کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔

لکھتے ہیں:

"وہ کئی سالوں سے سیدھی سادی زندگی گزار رہا تھا کہ ایک دن ایک چیل اڑتی ہوئی آئی اور اس کے کندھے پر بیٹھ گئی۔ اس نے چیل کو اڑانے کی بہت کوشش کی، لیکن چکر کاٹ کر وہیں آ بیٹھی اور اپنی چونچ سے اس کے جسم پر بے اطمینانی سے بچے اگانے لگی۔ ایک دن وہ اس ڈر سے باہر نہیں نکلا کہ لوگوں کی آنکھوں کی تسبیح میں پروئے ہوئے سوالوں کے جواب کہاں سے لائے؟ لیکن جب رات نے دیواروں پر دستک دے کر اندھیرے کے مشکیزے کا منہ کھولا تو اس نے چیل کو اڑانے کی ایک کوشش اور کی، لیکن چیل سیاہی کی چسکی لے کر وہیں آ بیٹھی، اس رات بے خوابی اس کے بستر پر ناچتی رہی۔ صبح جب روشنی نے رات کے ٹھٹھرے بدن پر کرنوں کی چادر ڈالی تو اس نے دیکھا کہ چیل ساری رات اس کے جسم کو اپنی چونچ سے کھودتی رہی تھی اور اب آلنا بنا کر اس کے دل پر بیٹھ گئی تھی۔"(8)

اس افسانے کا مرکزی کردار ایک وجودی کردار دکھائی دیتا ہے کیوں کہ وجودیت کی کئی کیفیات اس کی شخصیت میں یکجا ہو گئی ہیں۔ وہ ایک ایسے معاشرے میں زندہ ہے جہاں جینے کے لیے سمجھوتا کرنے کا دباؤ اسے داخلی اور خارجی دونوں سطحوں پر درپیش ہے۔ اگر وہ صرف اپنے ضمیر کی آواز سن کر جینا چاہے تو معاشرے کی اقدار مزاحم ہوتی ہیں۔

رشید امجد کے وجودی طرز فکر پر مبنی افسانوں میں "بند کوئیں میں سرسراہٹ" بھی شامل ہے۔ اس افسانے کا بنیادی موضوع بھی زندگی کی معنویت اور بے معنویت کے درمیان پھنسا ایک ایسا فرد ہے جسے آغاز میں زندگی اور اس کے معاملات سمجھ میں نہیں آتے۔ یہ صورت حال اس کے لیے شدید کرب کا باعث بن جاتی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ اس صورت حال کو سمجھنے اور پھر خود کو زندگی کے معاملات سے ہم آہنگ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ رشید امجد کی بہت سی کہانیاں ایسی ہیں جن میں ان کی ذاتی زندگی اور ان کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات تخلیقی مواد کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ رشید امجد نے زندگی کے بہت سے رنگ دیکھے تھے۔ انھوں نے زندگی کو بہت سی خوبصورتیوں اور بدصورتیوں سمیت دیکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں وجودی فکر صرف فلسفے کے طور پر نہیں بلکہ ان کی اپنی ذات کے حوالے سے محسوس ہوتی ہے۔ یہ ان کی اپنی ذات کی بھٹی کے انگارے ہیں۔ اپنے باطن اور خارج سے سمیٹی گئی یہ آگ ان کی اپنی ہے۔ ایسا ہی ایک افسانہ "دریچے سے دور" ہے جس میں ان کی ذات، زندگی کے مختلف ادوار اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا بیان ہے۔ اس افسانہ کا مرکزی کردار ایک ایسا فرد ہے جو کہانی کار ہے اور کہانی سے اس کا رشتہ بے حد مضبوط اور گہرا ہے۔ وہ کسی ورک شاپ میں معمولی ملازمت کرتا ہے جہاں کہانی سے اس کے تعلق کو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ ہی اہمیت دیتا ہے۔ اس کے ساتھ باقی تمام مزدوروں کی طرح سلوک کیا جاتا ہے اور اکثر اوقات اسے اپنے افسروں کی زیادتیوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زندگی کی اس مشکل صورت حال میں اگر اس کے لیے کوئی چیز اطمینان بخش تھی تو وہ کہانی سے اس کا تعلق تھا۔ یہ کہانی ہی تھی جہاں وہ پناہ لے کر زندگی کی تلخیوں کو بھول جایا کرتا تھا۔

"دن کو جب اس کا افسر کسی معمولی بات پر اسے جھاڑتا اور اس کے اندر کوئی چیز ٹوٹنے سی لگتی تو کہانی لپک کر اس کے پاس آتی اور اپنی نرم سرمئی انگلیوں سے سہلاتی، چند ہی لمحوں میں اس کے اندر بھڑکتا شعلہ ٹھنڈا پڑ جاتا اور وہ سر جھکا کر رجسٹر پر اندراج کرنے لگتا۔ کہانی دھیرے دھیرے اپنا سنہری جالا اس کے گرد بنتی رہتی۔ شام کو گھر آتے ہی وہ اس جال کے ایک ایک تار کو کاغذ کے کھردرے جسم پر پھیلا دیتا۔ شام کو کیفے میں گپ شپ کرتے وہ چہکتا تو ساتھی پوچھتے۔ 'لگتا ہے آج کچھ ہاتھ آ گیا ہے۔'"(9)

افسانہ دراصل مرکزی کردار کی داخلی واردات کے بیان پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اس افسانے کا بنیادی موضوع تو مرکزی کردار کی داخلی تنہائی کے کرب، مرنے سے پہلے مرنے کا تجربہ کرنے کی خواہش اور بوجوہ اس کی ناکامی ہے تاہم رشید امجد اس کہانی کے ذریعے سماج کے بہت سے موضوعات زیر بحث لائے ہیں۔ افسانہ نہ صرف مرکزی کردار کو درپیش مسائل کو زیر بحث لاتا ہے بلکہ معاشرے کی بھی ترجمانی کرتا ہے۔ دیگر موضوعات کے علاوہ رشید امجد کا ایک اہم موضوع جبر ہے۔ جبر چاہے وہ فرد کا داخلی ہو یا خارجی، رشید امجد نے اس کی بڑی خوبصورتی سے عکاسی کی ہے۔ جبر کی کفیت ایک دلدل کی مانند ہے۔ اس دلدل میں فرد بیزاری، غصہ، دکھ، کرب، بے چینی اور بے گانگی کے عالم میں اترتا چلا جاتا ہے۔ رشید امجد کا خاصہ یہ ہے کہ انھوں نے جبر کے ہر رنگ کو ایک الگ انداز میں پیش کیا ہے۔ رشید امجد نے جہاں اجتماعی جبر کی بات کی ہے وہاں انھوں نے فرد کے وجود کے ساتھ اس کی عزتِ نفس کو بھی اہمیت دی ہے۔ کیوں کہ جبر کی کیفیت نے جہاں فرد کے وجود کو گھائل کیا وہاں اس نے اس کی عزت نفس کو بھی کچل دیا۔ ایسا ہی ایک افسانہ "متلاہٹ" ہے جس میں فرد پورے سماج اور اس کے نظام سے حالتِ جنگ میں ہے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر رشید امجد کے افسانوں کے کرداروں میں جودی عناصر پائے جاتے ہیں جو ان کی شہرت کا سبب ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1۔ Joseph C. Mihalich, Existentialism and Thomism, Philosophical Library, New York, 1960, P.1

2۔ David E. Rboerts, Existentialism and religious belief, New York, Oxford University Press, 1957, P.4

3۔ منشا یاد، ایک عام آدمی کا خواب، مطبوعہ: جدید ادب، جرمنی، شمارہ ۸، ص ۳۷

4۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، "رشید امجد کی افسانہ نگاری" مشمولہ: تنقیدی مطالعے، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۶ء، ص ۱۲۰

5۔ رشید امجد، "گفتگو"، مشمولہ: عام آدمی کے خواب، اسلام آباد، پورب اکادمی، 2007ء، ص 37

6۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، جہت نمائی (افسانوی ادب کے مطالعے)، لاہور: شاہد لطیف پرنٹرز، ۱۹۹۵ء، ص ۶۰۔۶۱

7۔ رشید امجد، ڈاکٹر، "گمشدہ آواز کی دستک"، مشمولہ: عام آدمی کے خواب، ص ۲۳۷

8۔ رشید امجد، ڈاکٹر، لا = ؟، مشمولہ: عام آدمی کے خواب (کلیات)، ص ۱۹۷

9۔ رشید امجد، ڈاکٹر، "دریچے سے دور" مشمولہ: عام آدمی کے خواب، ص ۳۸۴۔۳۸۵ ایضاً، ص: 24

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1 .Joseph C. Mihalich, Existentialism and Thomism, Philosophical Library, New York, 1960, P.1

2 .David E. Rboerts, Existentialism and religious belief, New York, Oxford University Press, 1957, P.4

3.Minsha yad,eak amm admi kay khwb,Mutba jadid adib jairmany ,shumara,8

4 .Dr,bashir safi,rishaid Amjad ke afsana nagri ,mushmula ,tnaqdi mutaly ,Lahor ,1996

5 .Dr,Rashed amjd ,Giftugu mushmula,amm admi kay khwb ,islmbad ,2007.

6 .Dr,saiadat saeed,afsanyi adib kay mutaly,shaid Latif ,1995.

7.Dr,Rashed amjd ,Gum shuda awaz ke distk mushmula,amm admi kay khwb ,islmbad ,2007.

8 .Dr,Rashed amjd ,la:insan mushmula,amm admi kay khwb ,islmbad ,2007.Dr,Rashed amjd ,Gum shuda awaz ke distk mushmula,amm admi kay khwb ,islmbad ,2007.

9. Dr,Rashed amjd ,Darichy sa dur tk , mushmula,amm admi kay khwb ,islmbad ,2007Kishwar Naheed, Gumshuda Yadoun ki wapsi, Lahore: Sangemeel Publication, 2015, P: 25